اصنافِ ادب

رفیع الدین ہاشمی

Scanned with CamScanner

تو ہے وہ حامیٔ دُنیا و دیں زمانے میں — کہ تجھ سے زیب ہے دنیا کو دین کو توقیر
جہاں کو یوں تری صحت کے ساتھ ہے صحت — صحیح جیسے کہ قرآن ہو مع التفسیر

(ذوق۔ قصیدہ بہ تقریب غسلِ صحت بہادر شاہ ظفر)

دُعائے طولِ عمر شہ پہ ہاتھ اُٹھیں نہ کیوں لاکھوں — کہ ذات اس کی نمونہ ہے خدا کی مہربانی کا
رعیّت شاد ملک آباد اور آزاد ہر ملّت — ادا حق کر دیا شاہِ دکن نے حکمرانی کا

(حالی۔ قصیدہ در تہنیت جشنِ سالگرہ چہل سالہ نظام دکن)

گلِ خوشرنگ رسولِ مدنی عربی — زیبِ دامانِ ادب طرّۂ دستارِ ازل
نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہمسر نہ نظیر — نہ کوئی اس کا مماثل نہ مقابل نہ بدل
اوجِ رفعت کا قمر، نخلِ دو عالم کا ثمر — بحرِ وحدت کا گہر، چشمۂ کثرت کا کنول

(محسن کاکوروی۔ قصیدہ بہاریہ نعتیہ)

مرثیہ

مرثیہ عربی لفظ "رثا" سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں مرنیوالے کی تعریف و توصیف۔ گویا مرثیہ ایسی صنفِ شعر ہے جس میں کسی مرنے والے کا ذکر اور اس کی تعریف حسرت اور غم کے انداز میں کی جاتی ہے۔

ظاہری ہیئت کے اعتبار سے ابتدا میں مرثیے کی کوئی خاص شکل متعین

نہ تھی۔ شعراء کبھی غزل کی طرح متفرق اشعار میں اظہارِ غم کرتے تھے اور کبھی مثلّث، مربع، مخمّس، مسدّس ترکیب بند میں۔ یعنی ہر شکل میں مرثیے لکھے گئے مگر بعد میں مسدّس رائج ہو گئی اور دوسری تمام ہیئتیں متروک ہو گئیں۔ مُسدّس ہیئت کے مرثیے میں بند کے پہلے چار مصرعوں میں کسی بات کی تفصیل بیان کرتے ہیں اور آخری دو مصرعوں میں اس تفصیل کی بنا پر کوئی نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں۔ عموماً آخری دو مصرعوں میں ایسی دلچسپ یا عجیب بات بیان کی جاتی ہے کہ قاری خود بخود اگلے بند کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اردو کے تمام بڑے مرثیہ نگاروں نے مسدّس ہیئت میں مرثیے لکھے ہیں۔

مرثیہ کئی طرح کا ہوتا ہے مثلاً وہ مرثیہ جو کسی شخص خصوصاً قومی رہنما وغیرہ کی وفات پر اظہارِ غم کے طور پر لکھا جاتا ہے۔ جیسے ہر سال یومِ اقبال یا یومِ قائداعظم کے موقع پر دونوں رہنماؤں کے متعلق نظمیں کہی جاتی ہیں۔ ایسے مرثیوں کی حیثیت عموماً رسمی ہوتی ہے۔ بعض اوقات مرثیہ کسی ایسی عزیز ہستی کے متعلق ہوتا ہے، جس سے انسان کو ذاتی یا خاندانی نسبت ہو۔ مثلاً اقبال کا مرثیہ "والدہ مرحومہ کی یاد میں"۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ دل کی گہرائیوں سے نکلے ورنہ اس کی حیثیت رسمی مرثیے کی ہو گی۔ مرثیے کی ایک شکل وہ ہے جس میں دینی رہنماؤں خصوصاً حضرت امام حسینؓ اور ان اعزّہ و اقربا اور شہدائے کربلا کا ذکر ہوتا ہے۔ انیس اور دبیر کے مرثیے

اسی نوعیت کے ہیں۔

مرثیہ تمام اصنافِ سخن میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اوّل:

اُردو شاعری میں مرثیہ وہ واحد صنفِ شعر ہے جو عربی یا فارسی شاعری سے مستعار نہیں (اُردو مرثیہ فارسی مرثیے سے بالکل ایک مختلف چیز ہے) یہ اُردو شعرا کی اپنی ایجاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدا میں اس کی کوئی واضح شکل مقرر نہ تھی، میر انیس اور میرزا دبیر کے زمانے میں مرثیے نے ایک متعین اور واضح صورت اختیار کی۔ دوم:

مرثیے میں دیگر اصنافِ شعر کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ یعنی یہ ایک مرکّب صنف ہے جس میں قصیدے کی طرح مختلف انسانوں اور چیزوں کی مدح کی جاتی ہے۔ مثنوی کی طرح واقعات بیان کیے جاتے ہیں اور نظم کی طرح منظر نگاری اور غزل کی طرح جذبات نگاری ہوتی ہے، اس کے باوجود مرثیے کا انفرادی رنگ قائم رہتا ہے۔ سوم:

اُردو قصیدے اور مثنوی میں اگرچہ منظر نگاری اور مصوّری کے عمدہ نمونے ملتے ہیں، مگر بحیثیتِ مجموعی ان پر ہمیشہ داخلیت کا غلبہ رہا۔ مرثیہ میں پہلی بار خارجی رنگ کو اہمیت دی گئی۔ اس کے نتیجے میں مرثیے نے بیانیہ شاعری کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔ چہارم:

مرثیوں میں جا بجا ایسے اخلاقی اشارے ملتے ہیں جن میں عام انسانوں کو

نیکی اور راست روی کی تلقین کی گئی ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء کی شہادت سے یہ عظیم اخلاقی نتیجہ نکلتا ہے کہ باطل کے خلاف ڈٹ جانا اور حق کی خاطر جان دینا ہی دنیا کی سب سے بڑی نیکی ہے۔ پنجم: ڈاکٹر احسن فاروقی کے بقول: "مرثیہ شیعی مذہب اور اس کی ایک رسم سے متعلق ہے بلکہ اس کے دینی و اخلاقی عقائد کا بھی آئینہ دار ہے۔ شیعہ مذہب کے مذہبی و تاریخی پہلوؤں سے قطع نظر شیعوں کی عام ذہنیت بھی پوری طرح مرثیہ ہی میں نظر آتی ہے اور اس طرح اس کا ایک مخصوص قوم سے تعلق اس کی وہ خصوصیت ہے جو دنیا کی کسی شاعری میں نظر نہیں آتی۔"

معیاری مرثیے کے لیے ضروری ہے کہ:

۱۔ ایک ہی موضوع یعنی رنج و غم اور ماتم کے بیان میں تنوّع ہو ورنہ یکسانیت کے سبب مرثیہ دلکشی کھو بیٹھے گا۔

۲۔ واقعاتِ کربلا کے بیان میں حقیقی اور سچّے واقعات بیان ہوں، ضعیف روایات سے اجتناب ضروری ہے۔ ورنہ مرثیے میں تاثیر پیدا نہ ہو گی۔

۳۔ مرثیے کا مجموعی اثر المیے کا ہونا چاہیے، ورنہ مرثیے کی مختلف

Scanned with CamScanner

تفصیلات سے سامعین مختلف اثرات قبول کریں گے اور مرثیے کا اصلی مقصد فوت ہو جائے گا۔

۴۔ مرثیے کی زبان میں موقع محل کی مناسبت کا خیال رکھنا چاہیے۔

اُردو مرثیے کا سُراغ دکنی شعرا کے ہاں ملتا ہے، بعد کے دور میں بھی بیسیوں شاعروں نے مرثیے لکھے ان میں آبرو، میر ضاحک، سودا، میر، مصحفی، نظیر اکبر آبادی، قائم چاندپوری وغیرہ اہم ہیں۔ سودا نے مرثیہ نگاری کی صورت و معنی میں بہت سے اضافے کیے۔ مرثیے کا ادبی لہجہ سنوارا اور اسے ادبی وقار بخشا۔ سودا کے مرثیوں میں سیرت و کردار کے نقوش، واقعات، مناظر کی تصویریں، زبان و بیان کی سادگی اور طرزِ اظہار کی شیرینی کی خوبیاں ملتی ہیں۔ سودا کے بعد میر، قائم چاندپوری مصحفی اور میر حسن نے بھی اچھے مرثیے کہے۔ غالب نے زین العابدین خاں عارف کا دردانگیز مرثیہ لکھا۔

شاہانِ اودھ کے دور میں شیعیت کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ لکھنؤ میں شیعوں کی مخصوص رسوم اور عزاداری کے ساتھ مرثیہ گوئی کا رواج قدرتی تھا۔ اس دور میں یوں تو بے شمار شعرا نے مرثیے لکھے مگر اوّل خلیق اور ضمیر اور دلگیر اور فصیح نے اور پھر انیس اور دبیر نے مرثیے کو انتہائی عروج و کمال تک پہنچا دیا۔ خلیق کی زبان فصیح و سادہ ہے، میر ضمیر نے مرثیے

کی صورت میں تبدیلیاں کرکے اسے زیادہ دلچسپ بنایا۔ مرثیے کی ترقی میں ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

میر ضمیر نے "مرثیے کی ظاہری شکل متعین کر دی تھی اور اسے لکھنؤ کی نئی فضا کے مطابق بنا دیا تھا۔ انیس اور دبیر نے مرثیے میں داخلی تبدیلیاں کیں۔" میر انیس کے مرثیے، مرثیہ نگاری کا شاہ کار ہیں، ان کی زبان سادہ اور رواں ہے۔ دبیر کی زبان پُر شکوہ اور فارسی عربی آمیز ہے، خلیق و ضمیر اور انیس و دبیر کی باہمی مسابقت سے مرثیے کو بڑی ترقی ملی۔

دورِ انیس و دبیر کے بعد بھی بہت سے شعرا نے مرثیے کہے جس سے اُردو مرثیے کے ذخیرے میں نہ صرف اضافہ ہوا بلکہ اس میں تنوّع بھی پیدا ہوا، حالی نے غالب کی وفات پر جو طویل مرثیہ لکھا اس پر عبدالسّلام ندوی کے بقول "اُردو شاعری جس قدر بھی ناز کرے، کم ہے"۔ اقبال کے مرثیوں میں "والدہ مرحومہ کی یاد میں" "داغ" اور "مسعود مرحوم" بلند پایہ مرثیے ہیں۔ چند مرثیہ نگار: دتّو رام کوثری، جمیل مظہری، ڈاکٹر صفدر حسین، صبا اکبر آبادی، نسیم امروہوی، جوش ملیح آبادی۔

مختلف مرثیوں سے چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:-

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور — تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور

آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں — مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب، قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

ہاں اے فلکِ پیر جواں تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

تم کون سے ایسے تھے کھرے داد و ستد کے
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

(غالب - زین العابدین عارف کا مرثیہ)

لکھی جائیں گی کتابِ دل کی تفسیریں بہت
ہوں گی اے خوابِ جوانی تیری تعبیریں بہت

ہو بہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون؟
اٹھ گیا ناوک فگن مارے گا دل پر تیر کون؟

اشک کے دانے زمینِ شعر میں بوتا ہوں میں
تو بھی رو اے خاکِ دلّی! داغ کو روتا ہوں میں

(اقبال، داغ کا مرثیہ)

ان سے میں عرض یہ کرتا ہوں کہ اے شاہِ زماں
پسرِ فاطمہ پیاسا ہے، مجھے پیاس کہاں
صبح سے جھولے میں بے ہوش ہے اصغرِ ناداں
تشنہ لب ہے کئی دن سے علی اکبر سا جواں
پیاسا ہوں، اس پہ بھی پانی نہ پیوں گا، مولا
جامِ کوثر نہ بن آقا کے پیوں گا، مولا

(مرزا دبیر)

ناگاہ تیر ادھر سے چلے جانبِ امام
گھوڑا بڑھا کے آپ نے حجّت بھی کی تمام

نکلے ادھر سے شہ کے رفیقانِ تشنہ کام
بے سر ہوئے پروں میں سرانِ سپاہِ شام

بالا کبھی تھی تیغ کبھی زیرِ تنگ تھی
ایک اک جنگ مالکِ اشتر کی جنگ تھی

(میر انیس)

جہاں تک مستقبل میں مرثیہ نگاری کا تعلق ہے اوّل تو میر انیس نے مرثیہ کو ترقی کی اس آخری انتہا (saturation) تک پہنچا دیا کہ اس میں کوئی نئی بات پیدا کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ دوسرے وہ ماحول فضا اور زمانہ ہی نہیں رہا جس میں مرثیہ نشوونما پا سکے لہٰذا مرثیے کی ترقی کے امکانات بہت کم ہیں۔

شہر آشوب

شہر آشوب کے لغوی معنی ہیں "شہر کے لیے فتنہ و ہنگامہ" یا شہر میں جمع ہونیوالے یا شہر میں فتنہ برپا کرنے والے۔" اصطلاح میں اس نظم کو کہتے ہیں جس میں مختلف پیشوں اور طبقوں سے تعلق رکھنے والوں کا ذکر ہو۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ کے الفاظ میں شہر آشوب وہ نظم ہے "جس میں شہر یا ملک کی اقتصادی یا سیاسی بے چینی کا تذکرہ ہو یا شہر کے مختلف طبقوں کی مجلسی زندگی کے کسی پہلو کا نقشہ مزاحیہ، طنزیہ یا ہجویہ انداز میں کھینچا گیا ہو۔"

Scanned with CamScanner